مسلم اُمہ میں فکری و عملی اختلاف کا المیہ

ڈاکٹر طٰہٰ جابر العلوانی ○

عصرِ حاضر میں امتِ مسلمہ اس قدر گہرے فکری، علمی، تہذیبی، سیاسی اور ابلاغی امراض میں مبتلا ہے، کہ ان امراض نے ملّت کے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ اس کے باوجود یہ امت زندہ ہے!

یہ اللہ کا فضل ہے کہ ان امراض کی کثرت اور ہلاکت آفرینی کے باوجود یہ امت کسی نہ کسی طرح اپنا وجود رکھتی ہے، حتیٰ کہ ان میں سے کچھ امراض تو ایسے ہیں کہ جو امتوں اور قوموں کی تباہی و بربادی کے لیے کافی ہیں، چاہے وہ قومیں کتنی ہی بڑی آبادی یا کتنے ہی وافر وسائل رکھتی ہوں۔

امت کی اس شدید خستہ حالی کے باوجود، شاید آج تک اس کی بقا کا سبب کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک نسبت رکھنا اور اس کے نیک وصالح کرداروں کا توبہ و استغفار کرتے رہنا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ (الانفال ۸: ۳۳) اُس وقت تو اللہ ان پر عذاب نازل کرنے والا نہ تھا، جب کہ تُو ان کے درمیان موجود تھا اور نہ اللہ کا یہ قاعدہ ہے کہ لوگ استغفار کر رہے ہوں اور وہ اُن کو عذاب دے دے۔

امت مسلمہ کو چمٹی ان خطرناک ترین بیماریوں میں سے ایک بیماری کا نام 'اختلاف' یا 'باہم دشمنی' ہے۔ یہ متعدی مرض ہر میدان، ہر شہر اور ہر مسلم معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے چکا

○ معروف دانش ور [۱۹۳۵ء- ۴مارچ ۲۰۱۶ء] عراق سے تعلق تھا۔ سابق صدر انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ (IIIT) ۔عربی سے ترجمہ: ڈاکٹر عبدالحفی ابڑو۔

ہے۔اس جان لیوا مرض کا دائرہ: فکروعقیدہ،تصورات وخیالات، آراء،سلوک وعمل، اخلاق وکردار، رہن سہن کے طریقوں، آپس کے میل جول، انداز گفتگو، اور اہداف ومقاصد تک پھیل چکا ہے۔ اس کے نتیجے میں خود اُمت کے اندر ایسے گروہوں نے جنم لیا جو باہم برسرِ پیکار ہیں؛ گویا کہ اس امت کے پاس اختلاف اور جھگڑنے کی ترغیب کے سوا کچھ نہیں ہے۔

کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کے بعد سب سے زیادہ زور امت کے اتحاد واتفاق میں وسعت اور اختلاف سے بچنے پر دیا ہے، اور ہر اس چیز سے دور رہنے کا حکم دیا ہے، جو مسلمانوں کے آپس کے تعلقات کو خراب کرتی ہو، یا دینی بھائی چارے میں رخنہ ڈالتی ہو۔ یقیناً اسلام کے اصول ومبادی میں شرک باللہ کے بعد سب سے زیادہ برائی امت کے اختلاف اور آپس کے جھگڑوں سے منسوب ہے۔ نیز ایمان باللہ کے بعد جس چیز پر سب سے زیادہ ابھارا اور ترغیب دی گئی ہے، وہ مسلمانوں کے مابین اتحاد واتفاق ہے۔ اللہ اور رسولؐ کے احکامات واضح طور پر اتحاد واتفاق پیدا کرنے، دلوں کو جوڑنے اور متحد رہنے کی تاکید کرتے ہیں۔

اسلام میں کسی چیز پر اتنا زور نہیں دیا گیا جتنا 'کلمۂ توحید' اور باہمی اتحاد واتفاق پر دیا گیا ہے۔ پہلی چیز، یعنی کلمۂ توحید اللہ پر ایسے خالص ایمان کی دعوت دیتا ہے، جو ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک ہو۔ اور دوسری چیز توحید کا عملی اظہار ہے۔ جس قوم کا ربّ ایک، نبی ایک، کتاب ایک، قبلہ ایک، اور تخلیق وحیات کا مقصد ایک ہو تو فطری نتیجہ یہی ہونا چاہیے کہ ان کی صفوں میں اتحاد ہو:

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ (الانبیاء ۲۱:۹۲) یہ تمھاری اُمّت حقیقت میں ایک ہی اُمّت ہے اور میں تمھارا رب ہوں، پس تم میری عبادت کرو۔

لیکن مقامِ افسوس ہے کہ مسلمانوں نے کلمۂ توحید کے تقاضے پورا کرنے میں کوتاہی کی، اور اتحاد واتفاق سے بے رُخی برتی۔

انھی امراض کی تشخیص اور ان امراض سے بچنے کی تدابیر کو وضاحت سے پیش کرنا مقصود ہے۔ جس کا مقصد اسلامی آگہی پیدا کرنا، اختلاف کی دراڑوں کو پُر کرنا، بحران کی جڑوں کی تشخیص کرنا اور مسلمانوں کے دلوں میں ایمانی روح کو بیدار کرنے میں اپنا حصّہ ڈالنا ہے۔ ہمارے تعلقات کی استواری اور ان کو صحیح رخ دینے کی جانب سفر میں ہماری کمزور ایمانیات کے سبب کوئی

کردار نہیں رہا۔ اسی وجہ سے درست دینی فہم کے فقدان کے ہاتھوں، غلط طرزِ عمل اور غیر اسلامی معاشروں کے دباؤ نے مسلم اُمہ کو شدید دباؤ کی گرفت میں لے لیا ہے۔

تعلقات کے درست سمت میں ہونے کی حقیقی ضمانت، اختلافات کے خاتمے اور دلوں کی کدورتیں نکال پھینکنے کا اصل ذریعہ ایمان کی مضبوط بنیادوں اور تصورِ دین کا درست ہونا ہے۔

آج ہمارا اصل مسئلہ دین کے اہداف و مقاصد کے صحیح ادراک کا نہ ہونا ہے۔ ہمیں درست سمت کی طرف رہنمائی کی ضرورت ہے، جو ہماری سلامتی کی ضامن ہو اور علم و معرفت سے درست طریقے سے استفادے کو یقینی بنائے۔ بہت سے دارالعلوم اور یونی ورسٹیوں سے ہم نے علم اور ڈگریاں تو حاصل کیں، لیکن اسلام کے عطا کردہ تصورِ اخلاقیات سے محروم ہیں۔ ہم نے بہت حد تک دُنیاوی اسباب حاصل کیے، مگر اہداف و مقاصد تک نہ پہنچ سکے۔ بارہا مستحب یا مباح امور پر اختلاف کی بنا پر ہم فرض و واجب یا اعلیٰ مقاصد سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ہم نے مقابلے، دلیل بازی اور اختلاف کے فن میں تو مہارت حاصل کرلی، لیکن اس کے آداب و اخلاقیات کو کھو دیا۔ نتیجتاً ہم اندرونی شکست و ریخت، باہمی تنازعات اور محاذ آرائی کا شکار ہوگئے، جس کے نتیجے میں ہر قسم کی ناکامی ہمارے حصّے میں آئی۔ ہماری شان و شوکت قصۂ پارینہ ہوگئی، اور ہم بے اثر ہوکر رہ گئے۔ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (الانفال ۸:۴۶) اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمھارے اندر کمزوری پیدا ہوجائے گی اور تمھاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبردار کرنے، اور عبرت حاصل کرنے کے لیے پچھلی امتوں کے واقعات بیان فرمائے ہیں، اور خبردار کیا ہے کہ قوموں اور تہذیبوں کے عروج و زوال میں کونسے عوامل کارفرما ہوتے ہیں، نیز تفرقہ بازی، عناد و اختلاف، اور گروہ بندی کی بیماریوں میں مبتلا ہونے سے خبردار کیا:

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ (الروم ۳۰:۳۱-۳۲) اور ان مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ، جنھوں نے اپنا اپنا دین الگ بنا لیا ہے اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں، ہر ایک گروہ

کے پاس جو کچھ ہے اُسی میں وہ مگن ہے۔

جو اختلاف انتشار وتفرقہ بازی کی طرف لے جائے، اس کو اُسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نسبت نہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ ط (الانعام ۶:۱۵۹) جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے، یقیناً ان سے تمھارا کچھ واسطہ نہیں۔

اہلِ کتاب علم کی کمی کی وجہ سے ہلاک نہیں ہوئے، بلکہ ان کی ہلاکت کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اس علم کو آپس کے ظلم، ضد اور زیادتی کے لیے استعمال کیا:

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَھُمْ ط (اٰل عمرٰن ۳:۱۹) اس دین سے ہٹ کر جو مختلف طریقے اُن لوگوں نے اختیار کیے جنھیں کتاب دی گئی تھی، اُن کے اِس طرزِ عمل کی کوئی وجہ اس کے سوا نہ تھی کہ انھوں نے علم آجانے کے بعد آپس میں ایک دُوسرے پر زیادتی کرنے کے لیے ایسا کیا۔

یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''کیا ہم کتاب کے بجائے اہلِ کتاب کی اخلاقی بیماریوں کے وارث بنے ہیں؟'' بجائے اس کے کہ ہم علم اور معرفت حاصل کرتے، مگر بدقسمتی سے ہمارے حصّے میں ضد اور عناد کا ورثہ ہی آیا ہے۔ یہی اختلاف ودشمنی اور دینی بنیاد پر تفرقہ بازی، اہلِ کتاب کے وہ امراض تھے، جن سے وہ ہلاک ہوئے اور ان کا دین منسوخ کیا گیا۔ کتاب و نبوت کی وارث بننے والی امت کے لیے ان کے قصے سبق حاصل کرنے کے ذریعے کے طور پر بیان کیے گئے۔ چونکہ مسلمان، آخری دین کے پیروکار ہیں، ان کے دین میں تغیر وتبدل اور نسخ کی کوئی گنجایش نہیں، اس لیے یہ امراض امت کے وجود کا کلّی خاتمہ نہیں کر سکتے، لیکن اگر یہ باقی رہیں گے تو امت ہمیشہ کمزور رہے گی، اور اگر ان کا علاج کر دیا جائے تو وہ صحت و عافیت اور عروج پالے گی۔

چیزوں کو سمجھنے اور ان پر حکم لگانے میں نقطہ ہائے نظر کا اختلاف ایک فطری چیز ہے۔ اس کا تعلق بڑی حد تک فطری انفرادیت سے ہے، جو ہر شخص میں الگ الگ پائی جاتی ہے (جو کہ تنوع میں اپنا کردار ادا کرتی ہے اور انسانی معاشرے کی متوازن تشکیل کے لیے ضروری ہے)۔ اس لیے

کہ لوگوں میں معاشرتی تعلق قائم کرنا ایسی صورت میں ناممکن ہے، جب وہ بالکل یکساں صلاحیتیں اور ایک جیسی ذہنی ساخت رکھتے ہوں۔ گویا اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ لوگوں کی انفرادی مہارتوں، چاہے وہ فطری ہوں یا محنت سے حاصل ہوں، اور دنیا کے معاملات کے مابین کچھ بنیادی اتفاق وتعاون کے رشتے قائم ہوں، تاکہ زندگی کا پہیہ رواں دواں رہے اور ہر فرد اپنی صلاحیت کے مطابق اس میں حصّہ ڈالے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے الگ الگ صلاحیتوں اور سمجھ بوجھ کے حامل ہیں۔ نیز اہل ایمان کے بھی مختلف درجے ہیں؛ ان میں سے کوئی اپنے اوپر ظلم کرنے والا ہے، کوئی درمیانہ، اور کوئی نیکیوں میں سبقت لے جانے والا:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝۱۱۸ (ھود۱۱: ۱۱۸)

تیرا رب اگر چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک گروہ بنا سکتا تھا، مگر اب تو وہ مختلف طریقوں ہی پر چلتے رہیں گے۔

اگر فطری اختلاف ایک صحت مند سرگرمی کے طور پر رہتا تو وہ مسلمانوں کے ذہن کو جلا بخشتا اور فکری ارتقا کو تحریک دیتا۔ اختلاف رائے اور معاملے کے مختلف پہلوؤں پر غور وفکر مثبت سرگرمی ہے، مگر افسوس کہ زوال وانحطاط کے دور میں یہ ایک لاعلاج مرض اور انتہائی جلد اثر کرنے والے زہر کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ جس سے تفرقہ ونزاع اور نسلی وعلاقائی کش مکش نے جنم لیا ہے اور مسلم تشخص شکست وریخت اور انتشار کا شکار ہو گیا ہے۔ انتہائی دُکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض لوگ تو اختلاف رائے رکھنے والوں کی جان لینے کے درپے ہو گئے ہیں۔ بعض اس حد تک انتہاپسندی کا شکار ہو گئے ہیں کہ دین کے دشمن، ان کے زیادہ قریب ہیں، بہ نسبت ان مسلمان بھائیوں کے جو ان سے رائے کا اختلاف رکھتے ہیں، اگرچہ وہ عقیدہ اور خالص توحید کی نسبت سے ان کے زیادہ قریب ہیں۔ ماضی اور حال کی تاریخ میں ہمیں اس کی بہت سی افسوس ناک مثالیں ملتی ہیں۔ امت کی بے پناہ صلاحیتوں، وسائل اور قوت وطاقت اختلافات کا ایندھن بنا کر ضائع کر دیے جانے پر دل خون کے آنسو روتا ہے۔

بہت دفعہ یوں ہوتا ہے کہ انسان معاملات کو ان کے اصل زاویے اور درست تناظر میں نہیں دیکھ پاتا۔ اس طرح وہ کئی دوررس نتائج ومضمرات رکھنے والے مسائل کے بارے میں جامع اور

متوازن تصور قائم کرنے سے محروم رہ جاتا ہے۔ اس کا ذہن ایک محدود ضمنی نقطے پر ہی مرکوز ہو جاتا ہے، جسے وہ مبالغہ آمیزی کرتے ہوئے بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے، اور پھر وہی اس کی سوچ اور فکر کو پوری طرح لپیٹ میں لے لیتا ہے، اس حد تک کہ پھر وہ کسی چیز یا ایسے شخص کو خاطر میں نہیں لاتا جو اسے غلطی پر خبردار کرتا ہے۔ وہ اسی ضمنی نقطے کی بنیاد پر تعلق رکھتا اور قطع تعلق کرتا ہے۔ اسی کی بنیاد پر محبت اور بغض رکھتا ہے، حتیٰ کہ بعض اوقات مختلف رائے رکھنے والوں کے خلاف اُمت اور دین کے دشمنوں سے مدد حاصل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔

روایت کیا گیا ہے کہ واصل بن عطاء اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ تھا کہ خوارج سے ان کا آمنا سامنا ہوگیا۔ واصل نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''یہ تمھارا کام نہیں، تم الگ ہو جاؤ اور مجھے ان سے نمٹنے دو''۔ سفر کی تھکاوٹ سے وہ ہلاکت کے قریب پہنچ چکے تھے۔

انھوں نے کہا: ''آپ کی مرضی''۔

پھر وہ خوارج کے پاس گئے تو انھوں نے پوچھا: تم اور تمھارے ساتھی کون ہو؟

واصل نے جواب دیا: ''مشرک ہیں، اور تم سے پناہ کے طالب ہیں تاکہ اللہ کا کلام سن سکیں اور اس کی حدود پہچان سکیں''۔

انھوں نے کہا: ''ہم نے تمھیں پناہ دی''۔

واصل نے کہا: ''پھر تم ہمیں پڑھاؤ''۔ وہ اسے اپنے مسائل بتانے لگے، اور وہ جواب میں کہتا جاتا کہ میں نے اور میرے ساتھیوں نے قبول کیا۔

انھوں نے کہا: ''اب ہمارے ساتھی بن کر چلو کیونکہ تم ہمارے بھائی ہو''۔

واصل نے کہا: تمھارے لیے ایسا کرنا جائز نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۭ (التوبہ ۹:۶) [اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ مانگ کر تمھارے پاس آنا چاہے (تاکہ اللہ کا کلام سُن لے) تو اُسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سُن لے۔ پھر اُسے اس کے مامن (محفوظ مقام) تک پہنچا دو]۔ اس لیے اب تم ہمیں ہمارے محفوظ مقام تک پہنچا دو''۔

انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر کہا: ''ہمیں منظور ہے''۔ پھر ان سب کو ساتھ

لے کر چلے یہاں تک کہ انھیں محفوظ مقام تک پہنچا دیا۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اختلاف کی شدت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ بعض مسلمان فرقے جو اپنے آپ کو ہی خالص حق کا علَم بردار سمجھتے تھے، ان کے ہاں مشرک کی جان اس مسلمان سے زیادہ محفوظ تھی جو ان سے فروعی اور اجتہادی مسائل میں اختلاف رکھتا تھا۔ اس ماحول میں تشدد اور سزا سے بچنے کے لیے اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو مشرک ظاہر کرے۔

یہ مذموم اختلاف اور دل و دماغ کو ماؤف کر دینے والی ہوائے نفس ہے، جو مسلسل بڑھتی رہتی ہے، اور انسان کے ہوش وحواس اور عقل وخرد کو شل کر دیتی ہے۔ نتیجے کے طور پہ وہ شریعت کی کلّی حکمتیں، عمومی اصول و مبادی، مسلمانوں کے مشترکات، اور اسلام کے بنیادی قواعد اور اہداف ومقاصد کو فراموش کر دیتا ہے۔ ایسا شخص بصیرت وبصارت سے محروم ہوجاتا ہے۔ اسلامی اخلاق کی ابجد تک کو بھلا بیٹھتا ہے۔ اس کے معیارات وتصورات میں بگاڑ آجاتا ہے۔ حق و باطل گڈمڈ ہوجاتے ہیں اور دین کی ترجیحات نظر سے اوجھل ہوجاتی ہیں۔ علم کے بغیر بولنا، بصیرت کے بغیر فتویٰ دینا، بلا دلیل اعمال کی انجام دہی اور مسلمانوں کی تذلیل وتکفیر اور ان پر بہتان طرازی اس کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے۔ ایسا مریض اندھے تعصب کی گہری کھائی میں جا گرتا ہے، اور اس کی دنیا اندھیر ہوجاتی ہے۔ دراصل یہ اس کی تاریک نفسیات کا عکس ہوتا ہے، جس میں علم کا نور بجھ جاتا ہے اور سمجھ بوجھ کا دِیا ماند پڑ چکا ہوتا ہے: وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾ (النور ۲۴:۴۰) ''جسے اللہ نُور نہ بخشے اُس کے لیے پھر کوئی نُور نہیں''۔

اجتہادی آراء، اور فقہی مکاتب فکر جو اہل نظر و اجتہاد کا میدان ہیں، ناتجربہ کار، اندھے پیروکاروں کے ہاتھ لگ کر مذہبی گروہ بندی اور سیاسی تعصب کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ اپنے نہج کے مطابق آیات اور احادیث کی تاویل کرتے ہیں اور پھر وہ آیت یا حدیث جو ان کی مذہبی گروہ بندی سے مطابقت نہ رکھتی ہو، اس کی یا تو تاویل کی جاتی ہے یا وہ منسوخ قرار پاتی ہے۔ بسا اوقات تعصب انتہائی شدت اختیار کر لیتا ہے۔

سلف صالحین رضوان اللہ علیہم کے مابین بھی اختلاف رائے موجود تھا، لیکن یہ اختلاف ان کے درمیان دوری اور تفرقے کی بنیاد نہیں بنا۔ ان میں اختلاف تو ہوا مگر تفرقہ پیدا نہیں ہوا،

اس لیے کہ دلوں کی الفت اور اہداف و مقاصد کی یگانگت اس قدر راسخ تھی کہ کوئی چیز اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی۔ انھوں نے نفسانی عوارض سے چھٹکارا پا لیا تھا، اگرچہ ان میں سے بعض سے کچھ عملی کمزوریاں سرزد ہوگئی ہوں۔ سماجی سطح پر نیکوکاروں اور صالح افراد کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین مجلس کو یہ رہنمائی دی تھی کہ اب ان کے پاس فلاں فلاں خصوصیات کا حامل ایک جنتی شخص آنے والا ہے۔ ایسے شخص کے معمولات اور طرزِعمل کا جائزہ لینے پر معلوم ہوا کہ وہ کبھی اس حال میں نہیں ہوتا کہ اس کے دل میں کسی مسلمان کے لیے کینہ و کدورت ہو۔

اس کے برعکس آج ہمارا اصل مسئلہ ہماری ذات میں ہے۔ اتحاد و اتفاق کے بیش تر روپ اور رنگ محض دکھلاوا ہیں۔ اس کے حق میں دلیل بازی اپنے آپ کو دھوکا دینے کے مترادف ہے، اس نفاق اور کھلے تضاد میں ہم دوسروں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ط (الانعام ۶:۱۲۰) تم کھلے گناہوں سے بھی بچو اور چُھپے گناہوں سے بھی۔

عالم اسلام جو کبھی ایک متحدہ ملک تھا، جہاں کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بالادستی حاصل تھی، آج یہ ۵۷ سے زائد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ چکا ہے، جن کے آپس میں گہرے تنازعات ہیں۔ مگر اس سے بڑا مذاق یہ بھی ہے کہ ہر مسلم ملک اتحاد کا نعرہ بھی بلند کرتا ہے، جب کہ ہر ملک کے اندر مزید تقسیم در تقسیم پائی جاتی ہے۔ بعض تنظیمیں جو اسلام کے لیے سرگرم عمل ہیں، اور ان پر امت کی نجات و فلاح کی ذمہ داری ہے، ان کا حال بھی سرکاری اداروں کے ملازمین میں پائے جانے والے حسد اور کدورتوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔

ہمارا بحران دراصل فکری بحران ہے۔ ہمارا مسئلہ امت کے ساتھ سنجیدہ تعلق کا فقدان ہے۔ جب امت مسلمہ میں قرآن و سنت کو بالادستی حاصل تھی تو اس نے اپنا مشن بخوبی ادا کیا۔ انتہائی تنگ مادی حالات کے باوجود اس نے ایک اعلیٰ تہذیب و تمدن کی داغ بیل ڈالی، تب معاشی تنگی کے باوجود زندگی آسان تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ کتاب و سنت سے انحراف اور باہمی تنازعات ناکامی، ضعف اور ہوا اُکھڑنے کا باعث ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ط

(الانفال ۸:۴۶) اور اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمھارے اندر کمزوری پیدا ہوجائے گی اور تمھاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔

اسلام نے تفرقہ بازی کا خاتمہ کیا، عربوں کا رخ پھیر کر ایک معبود برحق کی طرف کر دیا اور ان تمام جھوٹے خداؤں کو مٹا دیا، جو ہر قبیلے نے اپنے لیے گھڑ رکھے تھے۔

آج مسلمانوں کو وسائل کی قلت اور معاشی تنگی کا سامنا نہیں، مگر وہ افکار ونظریات کا میدان ہو یا مادی ساز وسامان کا، ہر لحاظ سے صارف اقوام میں سرفہرست ہیں۔ ان کا اصل مرض یہ ہے کہ وہ مشترکہ مقاصد واہداف، یکساں نصب العین اور اصل مقصد حیات فراموش کر بیٹھے ہیں۔ اس چیز سے ان کا بنیادی فکری ڈھانچا متاثر ہوا ہے۔ مسلم ذہن کو جو فکری اور اخلاقی بحران لاحق ہے، اس سے نکلنے کی کوئی سبیل اس کے سوا نہیں کہ فکری بحران کی بنیاد اور سوچ اور فکر کے طریق کار کی اصلاح کی جائے، مناہج فکر کی ترتیب نو کی جائے، گم گشتہ ترجیحات کو ازسرنو مرتب کر کے مسلمان نسلوں کی اس کے مطابق تربیت کی جائے۔

یہ سب صرف اسی صورت میں ممکن ہے، جب ہم قرنِ اول کے اسلاف کے طرزِعمل کے مطابق کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھام لیں، افکار ونظریات کو منضبط کرنے کے لیے قیاس واستنباط کے قواعد وضوابط کا تعین کریں، علم وآگہی کو آداب واخلاقیات کے ساتھ جوڑ دیں، نیز ایسی تحقیقات اور مطالعات کو پروان چڑھائیں جو اتحاد امت، مشترکہ عوامل، اور اعلیٰ اہداف ومقاصد کو تقویت پہنچائیں، تاکہ صفوں میں اتحاد واتفاق پیدا ہو، اور نقوش راہ نکھر کر سامنے آئیں، اور منظم انداز سے منزل کی طرف پیش قدمی ہو۔

اس سلسلے میں جب میں نے اپنے مشاہدات اور افکار بیان کرنے کی کوشش کی تو مختلف ردعمل سامنے آئے:

● مسئلے کی سنگینی کا گہرا احساس رکھنے والے ایک طبقے نے یہ خواہش ظاہر کی کہ دنیا کے موجودہ حالات کے تناظر میں لکھا جائے، اور ان معاصر اختلافات کا تجزیہ کیا جائے، جن کے باعث ایک مسلم ملک کی اسلامی تحریک سے درجنوں الگ الگ تنظیمیں وجود میں آگئی ہیں۔ لیکن سچ بات ہے کہ غفلت کی دبیز تہہ، اور باطل اغراض ومقاصد کی دھند اس قدر گہری ہے کہ نرم الفاظ سے دلوں کی

گہرائیوں تک پہنچنا ممکن نہیں۔

تاہم، یہ بات قلبی راحت کا باعث ہے کہ آج کا مسلمان اختلاف کے اثرات سے چھٹکارا پانے کی خواہش رکھتا ہے، مگر ہر آن جاہلوں کی جہالت، دشمنوں کے شور وشغب، آستین کے سانپوں کی سازشوں اور شدت پسندوں کی بے جا سختی کا ڈر غالب رہتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ان آداب واخلاقیات کا موجودہ صورت حال پر انطباق کرنا اور معاصر مسلم گروہوں کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا لگی لپٹی رکھے بغیر بیان کرنا، بہت مشکل بنا دیا گیا ہے۔

● بعض احباب نے تجویز دی کہ ''مخصوص فقہی اور علمی مزاج کے دائرے سے نکل کر اُمت کے تمام گروہوں کے مابین اختلاف رائے کے جملہ آداب واخلاقیات سامنے لانے چاہییں۔ چاہے ان کا تعلق ان گروہوں سے ہو جو بجا طور پر اسلامی صف میں شمار ہوتے ہیں، یا ان سے جو خود کو جدیدیت سے منسوب کرتے ہیں، یا انھیں اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ خاص طور پہ وہ گروہ کہ جنھوں نے اسلام کے خلاف اعلانِ جنگ نہیں کیا ہے اور اسلام کو امت کے بنیادی عناصر میں شمار کرتے ہیں، اور اس صورتِ حال سے نبٹنے پر زور دیتے ہیں کہ جس دور میں یہ امت جی رہی ہے۔

بلاشبہہ اس میدان میں کوششیں کی جانی چاہییں، اس لیے کہ اختلاف رائے کی اخلاقیات کا شعور دینے اور امت کے تمام گروہوں کی ان اصولوں کے مطابق تربیت کرنے سے امت کو ایسی بڑی صلاحیتیں میسر آئیں گی، جو فضول باہمی چپقلش میں ضائع ہو رہی ہیں۔ جب مسلم ذہن اپنے تہذیبی کردار کا شعور حاصل کرلے گا، تو یہ امت کے ان افراد کو واپس لانے کی کوشش بھی کرے گا، جو اجنبی بن گئے ہیں۔ اسلام کے شعوری فرزندوں پر امت کے اتحاد اور اس کی صحت وتندرستی بحال کرنے کے لیے ایک مضبوط اور ٹھوس بنیاد کھڑی کرنے کے فوری کام اور پھر اسلامی تہذیب کو دوبارہ تعمیر کرنے کے ذمہ داری ہے۔ زندگی کو موت سے الگ کرنے والا ایک لمحہ ہی تو ہوتا ہے، اور اگر عزم مصمم کرلیا جائے تو ہمارے لیے کوئی چیز اپنے مسلمان بھائیوں کو شیطانوں کے اثرات سے نکال لانے میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ اس لیے جس روز اُمت کے تمام گروہوں کی تعمیری قیادت نے اتحاد کی اُمنگ اور اختلاف کی حدود کا پاس ولحاظ کرلیا، اُس روز اہلِ ایمان اللہ کی تائید ونصرت سے سرفراز ہوں گے اور وہ سب خائب وخاسر ہوں گے، جو حق کے ادراک سے محروم رہ کر اسے

مٹا دینے کی کوشش کرتے رہے ہوں گے۔

● ایک نقطۂ نظر یہ بھی سامنے آیا: ''مسلمانوں میں اختلاف ہونا ہی نہیں چاہیے، اور اگر ہوجائے تو اس پر زور دیا جائے کہ اختلاف حرام اور کفر ہے، اسے شدت سے کچل دینا چاہیے۔ اس کے بجائے آگے بڑھ کر اس کے آداب پر گفتگو کرنا، اختلاف کو مضبوط کرنے اور اسے گوارا کرنے کے مترادف ہے''۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ ان دوستوں سے کیا کہا جائے؟ مگر تعجب ہے کہ سادگی انسان کو اس حد تک لے جاتی ہے کہ وہ بنیادی اُمور کی حقیقت تک سے انکار کرنے لگتا ہے یا ان سے نظریں چُرانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سے مجھے امیر المومنین حضرت علیؓ کے کرب کا بھرپور احساس ہوا، جب انھوں نے فرمایا تھا: ''جب بھی مجھ سے اہلِ علم نے بحث مباحثہ کیا تو مجھے اس پر غلبہ حاصل ہوا، مگر جب کبھی کسی جاہل سے بحث ہوئی تو اس نے مجھے لاجواب کر دیا!''

بہرحال، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس گروہ کو اور ہمیں بھی راہ صواب دکھائے!